بھولی ہوئی کہانیاں!

روزنامہ جنگ (لاہور) کی ۲۵ دسمبر کی اشاعت میں، (مولانا) کوثر نیازی صاحب نے اپنے کالم میں لکھا ہے :-

دسمبر ۱۹۷۶ء میں پاکستان بھر میں قائد اعظمؒ محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی گئیں۔ اس سلسلے میں قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایک مشترکہ اجلاس منعقدہ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۶ء میں بھی بانیٔ پاکستان کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ اس موقع پر میں نے بھی تقریر کی۔ یہ تقریر اب تک غیر مطبوعہ تھی۔ اب اسے قائد اعظمؒ کے یومِ ولادت کی مناسبت سے، قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی تقریر درج فرمائی ہے جس کے دوران کہا ہے :-

"مفتی صاحب! مولانا صاحب! ان باسوں میں کیا رکھا ہے؟ جو کچھ ہے عمل ہے، آئیے ترک رسوم کے اس موجد کا ایک واقعہ سنئے! جناح مذہبی تاجر نہ تھا مذہب کا مفکر تھا اور دُنیاوی امور میں پروٹوکول کا شدت سے قائل و عامل، جس کو اپوائنٹمنٹ کے بغیر ملنے کا کوئی تصور تک نہیں کر سکتا تھا، اس کی جلوت و خلوت میں اس شخص کو ہر وقت ہر لمحے تمام فارملیٹیز کے بغیر حاضر ہونے کی اجازت تھی جو انہیں کلام اللہ میں تدبر کرنے کے لئے آیات قرآنی سنایا کرتا تھا وہ خود مروی ہے کہ ایک نشست میں اس نے قرآن مجید کے کسی مقام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ساری عمر مبارک اپنے مقصد کے حصول میں جانکاہ مشقتیں اُٹھاتے گذر گئی ایسا نظر آتا ہے کہ کسی وقت حضورؐ کے قلب مطہر میں حسین و معصوم سی آرزو اُبھری کہ بار الٰہا میں اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے بھی دیکھ سکوں گا یا میری آرزو اسی تگ و تاز میں گذر جائے گی؟ اللہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ملا کہ

تیرا مقصد تیری زندگی میں تیرے سامنے آ جائے یا اس سے پہلے ہی تو ہمارے پاس آ جائے اس سے تجھے کچھ سروکار نہیں تیرا کام اس پیغام کو عام کئے جانا ہے یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے"۔

اس شخص نے لکھا ہے کہ یہ سن کر قائد اعظمؒ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ کیوں؟ قائد ہی کے الفاظ میں سُنئے فرمایا :-

"جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستی کے لئے بھی ذرا سی رعایت روا نہیں رکھی اور صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارے قانون کے سلسلہ واقع ہوگا خواہ تمہاری زندگی میں ہو اور خواہ اس کے بعد۔ تو ہم کس باغ کی مولی ہیں وہ ہماری خاطر اپنے قانون میں کیوں رعایت برتے گا؟ اس لئے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان پلتے دیکھ سکیں گے کہ نہیں؟"

یہ کسی صوفی یا مولوی کا رد عمل نہیں محمد علی جناحؒ کا ردعمل ہے۔ آپ نے بہت سی تفسیریں پڑھی ہوں گی لیکن اس آیت پر جناحؒ جیسے عملی آدمی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیں راوی لکھتا ہے انہوں نے کہا:۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے بات بنا دی ورنہ خدا کا جواب تو بڑا خشک اور قانونی جواب تھا"

اس واقعہ کے راوی ہیں جناب غلام احمد پرویز جن سے کسی کو ہزار اختلاف ہو لیکن قائداعظمؒ کے ساتھ ان کی رفاقت اور تحریک پاکستان میں ان کی قلمی خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا"۔

مقام تشکر ہے کہ نیازی صاحب نے اپنی تقریر میں پرویز صاحب کا نام لینے کی جرأت فرمائی، ورنہ یہاں ہو یہ رہا ہے کہ نامور دانشوروں تک اپنی تحریروں اور تقریروں میں، پرویز صاحب کی تصانیف کے صفحوں کے صفحے اڑاتے چلے جاتے ہیں اور (نام لینا تو ایک طرف) اس کا خاص طور خیال رکھتے ہیں کہ کہیں اشارۃً کنایۃً بھی معلوم نہ ہونے پائے کہ یہ کس کے الفاظ ہیں؟ اور پیش کردہ واقعہ کا ماخذ کون سا ہے؟

نیازی صاحب نے جو واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں (غالباً بغرض اختصار) بعض کڑیاں چھوٹ گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے واقعہ میں ربط نہیں رہا۔ پرویز صاحب نے اس واقعہ کا اپنے اس خطاب میں ذکر کیا تھا جسے انہوں نے قائداعظمؒ کے یوم وفات کی تقریب منعقدہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۰ء میں پیش کیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے واقعہ کو ان کے الفاظ میں درج کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا تھا:۔

"اور آخر میں ایک ایسا واقعہ جس کی یاد مجھے زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ اکثر لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ میری اور قائداعظمؒ کی پوزیشن میں اس قدر بُعد کے باوجود، وہ کون سی بات تھی جس کی وجہ سے مجھے ان سے اس قدر قرب حاصل تھا۔ میرے اس زمانے کے قریبی احباب تو اس راز سے واقف تھے لیکن میں نے خود ہی کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ میرے اس قرب کی وجہ بھی ان کا قرآنی ذوق۔ مجھے اس کی اجازت تھی کہ میں پہلے سے وقت لئے بغیر، ان کی فرصت کے اوقات میں حاضر خدمت ہو جایا کروں۔ میں جب بھی حاضر ہوتا، پیش آمدہ معاملہ کے بعد، قرآن کریم کے کسی نہ کسی اہم مقام پر بات شروع ہو جاتی۔ میں نے ان جیسا ذکی الفہم انسان بہت کم دیکھا ہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی۔ کہ خارے دید و احوال چمن گفت۔ ذرا سے نکتہ سے پوری کی پوری بات فوراً سمجھ لیتے تھے۔ یہ غالباً مارچ ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کہ ایک نشست میں میں نے قرآن مجید کے کسی مقام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرمؐ کی ساری عمر (شریف) اپنے مقصد کے حصول میں جانکاہ مشقتیں اٹھاتے گذر گئی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ کسی وقت حضورؐ کے قلب مطہر

میں یہ حسین و معصوم سی آرزو اُبھری کہ بار الٰہا! جب اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے دیکھ سکوں گا یا میری زندگی اسی تگ و تاز میں گذر جائے گی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب ملا کہ: اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰)۔ جو کچھ تمہارے پروگرام کے مخالفین سے کہا جا رہا ہے: وہ تیری زندگی میں تیرے سامنے آ جائے یا اس سے پہلے ہی تیری وفات ہو جائے۔ اس سے تجھے کچھ سروکار نہیں۔ تیرا کام اس پیغام کو عام کئے جانا ہے۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے؟ میں رواروی میں یہ کچھ کہہ تو گیا لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ (ان کی آنکھوں میں آنسو بہت کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے) یہ دیکھ کر میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ پر یہ کیفیت کیوں طاری ہو گئی؟ فرمایا کہ میں نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستیؐ کے لئے بھی ذرا سی رعایت روا نہیں رکھی اور صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق واقع ہوگا۔ خواہ تمہاری زندگی میں ہو اور خواہ اس کے بعد — تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ وہ ہماری خاطر اپنے قانون میں کیوں رعایت برتنے لگا۔ اس لئے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ سکیں گے یا نہیں؟ اس پر مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے نادانستہ کیا غلطی ہو گئی۔ میرے مضراب نے ان کے کس تارِ رگِ جان کو چھیڑ دیا؟ میں نے اس احساس کی شدت کو کم کرنے کے لئے کہا کہ نہیں! حضورؐ کے مقصد کا حصول حضورؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو گیا تھا۔ فرمایا کہ یہ الگ بات ہے۔ لیکن خدا نے اپنے قانون میں تو کوئی رعایت نہیں برتی تھی۔ یہ کہہ کر وہ پھر ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اس وقت تو مجھے اس کا علم و احساس نہیں تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اس گہری سوچ میں ان کے پیشِ نظر (شاید) اپنے بارِ معالج کے سینے میں محفوظ رکھا ہوا وہ راز ہوگا جس کا تذکرہ اب ہاؤنٹ بیٹن نے کیا ہے۔ میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ عزیزم! جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے کوئی غلط مفہوم نہ لے لیں۔ قانونِ خداوندی کے بے لچک ہونے کے باوجود ہمیں اپنے سامنے اسوۂ رسول اللہؐ رکھنا چاہئے۔ حضورؐ نے اس جواب کے ملنے کے بعد اپنی تگ و تاز میں کسی قسم کی کمی نہیں کر دی تھی۔ ہمیں بھی اپنی جد و جہد بدستور جاری رکھنی چاہئے اور نتیجہ کا انتظار خدا کے قانون کے مطابق کرنا چاہئے — ہمیں بھی اپنے مقصد کی صداقت پر یقینِ محکم ہے۔ اعلانِ پاکستان کے بعد جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اس عدیم النظیر کامیابی پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے بعد، مندرجہ بالا واقعہ کی یاد دلائی، تو ہنس کر فرمایا کہ نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ نے بات بنا دی۔ ورنہ خدا کا جواب تو بڑا روکھا پھیکا سا تھا۔"

نیازی صاحب نے اپنی اسی تقریر میں آگے چل کر کہا تھا:-

> تو یہ تھا جناح، یہ تھا اقبال کا مردِ مومن - وہی مردِ قلندر جس کے خلاف بڑے بڑے صاحبانِ جبہ و دستار صف آرا تھے۔ جسے ہیٹ پہننے سے منع کیا جاتا تھا تو جواب ملتا تھا۔ ویسے تو میں شاید چھوڑ دیتا لیکن اب مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے چھوڑا تو یہ منافقت ہوگی۔ (ایضاً)

یہ واقعہ بھی پرویز صاحب کے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔ چونکہ یہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور حقیقت کُشا بھی، اس لئے ہم اسے بھی پرویز صاحب ہی کے الفاظ میں پیشِ خدمت قارئین کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس خطاب میں جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، کہا تھا :-

سستی شہرت کا حصول

"عام لیڈروں کی سب سے بڑی خواہش سستی شہرت (CHEAP POPULARITY) حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ کون کون سے پاپڑ بیلتے اور کس کس قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں، اس کے لئے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، یہ ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ لیکن قائدِ اعظمؒ تو کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ انہیں اپنی ذات پر کس قدر اعتماد تھا اور سستی شہرت حاصل کرنے سے کس قدر نفرت، اس کے لئے میں صرف ایک واقعہ کا تذکرہ کافی سمجھتا ہوں، جو ہے تو معمولی سا، لیکن اس میں حقیقت بہت بڑی پنہاں ہے۔ مسٹر جناح اسمبلی سیشن کے سلسلہ میں گرمیوں میں اکثر شملہ تشریف لایا کرتے تھے، لیکن جب وہ قائدِ اعظمؒ کی حیثیت سے پہلی بار شملہ آئے تو مسلمانانِ شملہ نے ان کا تاریخی جلوس نکالنے کا فیصلہ اور اہتمام کیا۔ ریلوے سٹیشن سے وہ ایک کھلے رکشا میں سوار ہوئے کہ وہاں اسی سواری کی اجازت تھی، اور مال روڈ سے آگے بڑھے۔ مال روڈ پر تو سرکاری دفاتر تھے لیکن آگے جا کر ایک راستہ لوئر بازار کی طرف اُترتا تھا جہاں عوام کی آبادی تھی اور وہ ان کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ قائدِ اعظمؒ انگریزی لباس میں ملبوس تھے جو ان کا اس زمانے کا معمول تھا۔ اور ان کا سفید رنگ کا بڑا سا "ٹوپ" ان کے زانوؤں پر دھرا تھا۔ اس زمانے میں، انگریز دشمنی کی بنا پر انگریزی ٹوپی کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس مقام پر بعض دوستوں کے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ لوئر بازار کے مسلمان اپنے راہ نما کو پہلی بار دیکھیں گے - وہ متوقع ہوں گے کہ یہ راہ نما "اسلامی لباس" میں ملبوس ہوگا —اسلامی لباس سے اُس زمانے میں مراد شیروانی، شلوار، یا پاجامہ اور ترکی ٹوپی تھی - وہ جب انہیں اس لباس میں

شملہ کا جلوس

دیکھیں گے تو ان پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ لیکن اس وقت اس سلسلہ میں جو کیا جا سکتا تھا بعض احباب نے کہا کہ اور کچھ نہیں تو جناح صاحب سے کہا جائے کہ وہ کم از کم اپنے "ٹوپ" کو نیچے رکھ لیں تاکہ وہ نمایاں طور پر دکھائی نہ دے۔ اس جراُت رندانہ اقدام کے لئے قرعۂ فال مجھ دیوانے پر پڑا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مجھے قائدِ اعظمؒ سے شرفِ نیاز حاصل تھا۔ وقت کی کمی اور جذبات کی تیزی کی وجہ سے میں نے بھی اس اقدام کی نزاکت پر غور نہ کیا اور آگے بڑھ کر، قائدِ اعظمؒ کے کان میں یہ بات کہی۔ انہوں نے اسے سُنا، اور اگرچہ میں نے محسوس کیا کہ انہیں یہ مشورہ خوش نہیں آیا، انہوں نے اپنے مخصوص مشفقانہ انداز سے، میرے کان میں جو کچھ کہا اس کا ملخص یہ تھا کہ تم لوگ مجھے

مہاتما گاندھی بنا دینا چاہتے ہو۔ جناح ان سستی حربوں سے پاپولر نہیں بننا چاہتا۔ اگر اس میں خلوص اور خدمت کی جاذبیت ہوگی تو یہ خود بخود مقبولِ انام ہو جائے گا۔ اگر یہ نہیں ہوگا تو اس طرح حاصل کی ہوئی ہر دل عزیزی ناپائدار ہوگی۔ ویسے ممکن تھا کہ میں اس ٹوپی کو نیچے رکھ دیتا۔ لیکن اب ایسا کرنا منافقت ہوگی جس کی کم از کم مجھ سے توقع نہ رکھو۔ یہ کہا اور اس ٹوپ کو زانوؤں سے اٹھا کر زیبِ سر کر لیا' اور اسی سیٹ سے جلوس کے راستوں سے گذر ے!

مودودی مرحوم کی مخالفت

نیازی صاحب نے کہا تھا کہ "قائداعظم" کے خلاف بڑے بڑے جُبّہ و دستار صف آرا تھے"۔ قدیمی صاحبانِ جبّہ و دستار کو تو چھوڑیئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) کو دیکھئے جو 'تحریکِ پاکستان اور قائداعظم' کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔ اور انہوں نے اس تحریک کے دوران تازہ بتازہ "جُبّہ و دستار" پہنا تھا۔ انہوں نے سنہ ۱۹۴۱ء میں اپنی تالیف بنام "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش۔ حصہ سوم" شائع کی تھی (حصہ سوم اور سنہ ۱۹۴۲ء ایڈیشن خاص طور پر یاد رکھئے)۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا:-

> افسوس کہ لیگ کے قائدِ اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو (ص۳۴)۔ ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تنظیم کے استاد فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے (ص۳۷)۔ جن کی عملی زندگی میں اور جن کے خیالات، نظریات، طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی جھلک نہیں دیکھی جا سکتی (ص۳۷)

حتیٰ کہ انہوں نے "حصولِ پاکستان کے بعد بھی قائداعظم" کو نہیں بخشا اور ترجمان القرآن کی پہلی پاکستانی اشاعت (بابت جون سنہ ۱۹۴۸ء) میں تحریکِ پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

> یہ بات ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلے ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی۔ ص۵

پھر اسی پرچہ کی اگست سنہ ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا:-

> اس پورے گروہ میں سے ایک کو بھی نہ نکلا جو بازی کھونے کے بعد سر دے سکتا۔ یہ ساری جیتی بازی گھروں سے پٹی پڑی تھی جنہوں نے عجیب عجیب تماشیاں کھا کر دنیا کو اپنی بودی سیرت اور

ل قائداعظم کو قرآن مجید کے ساتھ کس قدر والہانہ وابستگی تھی اور ان کا قرآنی مطالعہ کس قدر گہرا تھا اس کے لئے زیادہ نہیں تو (کم از کم) طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ دو پمفلٹ۔ "قائداعظم" اور قرآن مجید اور "کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟" ملاحظہ کر لئے جائیں۔

کھوکھلے اخلاق کا تماشا دکھایا اور اس قوم کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملادی۔ بس کے وہ نمائندے بنے ہوئے تھے۔

عوام میں مشہور ہے کہ ہر شہر میں ایک "قطب" ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شہر محفوظ رہتا ہے۔ وہ نہ ہو تو شہر غضبِ الٰہی سے تباہ ہو جائے۔ ان "صاحبانِ جبّہ و دستار" کی طرف نیازی صاحب نے اشارہ کیا ہے، ان میں (کم از کم) ایک "قطب" ضرور تھا۔ اور وہ تھے علامہ شبیر احمد عثمانی (علیہ الرحمۃ) —— جن کا اسمِ گرامی سامنے آتے ہی آنکھوں میں نورانیت اور قلب میں شادابی پیدا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان میں کس قدر جلیل القدر خدمات سرانجام دیں اور خود اپنے حلقہ کی طرف سے مسلسل اور بے پناہ مخالفت کا کس استقامت سے مقابلہ کیا، یہ ایک الگ داستان ہے۔ سردست ہم ان کی وہ تقریر درج ذیل کرتے ہیں جس کے ساتھ انہوں نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی مجلسِ دستور ساز میں، قراردادِ مقاصد پیش کی تھی۔ واضح رہے کہ قراردادِ مقاصد اور مسودۂ دستورِ پاکستان پر طلوعِ اسلام میں تفصیلی تبصرہ شائع کیا گیا تھا۔ اس وقت ہم اس بحث کا اعادہ نہیں کر رہے۔ صرف علامہ علیہ الرحمۃ کی تقریر پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں جس میں اسلامی مملکت کے بنیادی خط و خال بڑی حد تک نمایاں کئے گئے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی (علیہ الرحمۃ) کی تقریر

جنابِ صدر محترم! قراردادِ مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور مہتم بالشان تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوانِ ہٰذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریاتِ حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے)، ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرأتِ ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے، اسی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے

---

[1] حصولِ پاکستان کے بعد اس احسان فراموش قوم نے ان سے کس قسم کا سلوک کیا تھا۔ یہ ایک الگ افسانہ ہے۔

کے لئے جس قدر پھڑپھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائیگی وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پہ جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔ ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کارآمد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پہ اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں، اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی صحیح لائن پہ آنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پہ بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پہ وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پہ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔
یہی حال آج دنیا کا ہے اگر ہماری تنگ اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سر نو جائزہ لینا ہوگا؛ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بے کار ہے۔ اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو۔ کبھی ٹھیک طور پہ سنور اور سلجھ نہیں سکتے جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائیں۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرائیے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس محقق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پہ ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلّمات عامہ، اصول موضوعہ اور مفروضہ تنہا صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں۔ ان ہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے، اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس پہ صدیوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پہ پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پہ ضرور غور کرنا ہوگا جنہیں مادی و معاشی مسابقت کی بے تحاشہ دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں اسے یوں خیال کیجئے کہ کئی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پہ مستولی رہا۔ فیثاغورث کی آواز پہ کسی نے توجہ نہ دی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثاغورث دبا گیا تھا زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طول عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ جب اس کے ٹھکرانے والے زمانہ کے دھکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پہ مجبور ہوں گے۔

پاکستان روشنی کا مینار

آج وہ دن قریب آ رہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خاں نے فرمایا روشنی کی تحریک افق پہ ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش

خیمہ بن رہی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو خفاش صفت پیدا نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دُنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دُنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں، بلکہ انسانیت کے لئے پُر امن پیغامِ حیات و نجات ہے اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے

حاکمِ حقیقی کون ہے؟

ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دُنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے۔ مالکِ اصلی اور حاکمِ حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالقِ اکل اور مقتدرِ اعلےٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کا خصوصاً اس مالکِ علیٰ الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملکِ غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحیِ ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیئے جائیں اسی نقطۂ خیال کے پیشِ نظر ریزولیوشن میں اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہ ہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی راہیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے، اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دُنیا میں موجود ہیں ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع و حاوی نظامِ حیات سے تہی دامن ہوں مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائدِ اعظمؒ کی تصریحات

قائدِ اعظمؒ نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں:-

> قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امورِ حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک۔ جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک، دنیوی زندگی میں جزا و سزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا میں جب یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے، تو

حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانونِ حیات ہے۔ یعنی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کو بغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو۔"

قائداعظمؒ نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی یا یہ کہ اگر آج قائداعظمؒ زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی۔

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ اور وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۝ .... هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝ .... هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ (۴: ۶۵، ۵: ۴۴، ۴۵، ۴۷)

اسلامی حکومت کا مفہوم

اس موقع پر یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی "پاپائیت" یا "کلیسائی حکومت" کے نہیں، بھلا جس بت کو قرآن نے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اس کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظامِ مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے۔ مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے۔ اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے[1]۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ "رشد" حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار، حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن، اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہئے۔

---

[1] انسان خدا کا خلیفہ نہیں۔ وہ انسانوں کو دنیا میں احکام خداوندی کو نافذ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ (طلوع اسلام)

قرآن نے حکومت اسلامی کی یہی غرض و غایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے۔ اس کو دائرہ و سائر رکھنا چاہتی ہے مگر اس کام کو اخلاقی و غیر قانونی طریقہ پر عام خوش دلی عدل و اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔ اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی[1] مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ زائد سرمایہ کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

اسلام اور جمہوریت

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے (وامرھم شوریٰ بینھم)۔ اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی۔ محض تھیوریٹ یا جبر و استبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشاء کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے وہ انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار و ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی اور طبقاتی تعصب سے بالاتر ہو کر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں پر ہو جن کی تشہیر و تبلیغ کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات، حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے

اسلام اور اقلیتیں

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں رہنے والے تمام غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں (جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق) کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور ان پر کوئی ایسا بھار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو۔ وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت بھی انحراف جائز نہیں۔

پاکستان کے اسلامی تشخص پر اعتراض کا جواب

اس کے بعد دینی حکومت کی مروجہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ جواب میں اتنا کہنا کافی

---

[1] قرآن کے معاشی نظام کے متعلق ہم بکثرت لکھ چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب کی کتاب نظام ربوبیت بڑی اہم ہے۔ (طلوع اسلام)

ہو گا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفادِ عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر، عہد شکنی، مالی دست برد، کشت و خون، بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آ رہی ہیں۔ خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرضیکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگریسی وزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائد اعظمؒ نے دستور کی اس اساس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا تھا۔

انہوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا تھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ "اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی۔ پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے۔ اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظمؒ اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جن کا بخوف طوالت استیعاب نہیں کر سکتے۔

بہرحال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقاصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہا جا رہا ہے ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جا رہے تھے جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا۔

اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور ان کی قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں[1]۔

سرمایہ پرستی اور کمیونزم کا جواب | اس موقع پر بھی یہ بات فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں

---

[1] اس زمانے میں غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلہ میں پاکستان کے خلاف بڑا پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔ (طلوع اسلام)

معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالمِ اسلامی کو اس ہیبت ناک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں۔ اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پہ اس کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدتِ اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

موجودہ نظام اور اسلام

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گذرتا ہے کہ ابھی ہمارا کاروبار جس ڈگر پہ چل رہا ہے اسلامی نظام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں، یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ دے گا اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجالِ کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزلِ مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔

جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں وہ فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سردست حالات سازگار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے۔ بلکہ حکیمانہ اسلوب پہ حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہرحال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں چنانچہ خطبۂ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ ہمیں اسی طرح اعلیٰ اور پاک نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ دفعتاً و بغتتاً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نعمتِ انہار کی طرف تاریکی قدم اٹھائے گا۔

حرفِ آخر

جنابِ صدر محترم! آخر میں ایوانِ ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریکِ پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاءاللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست

(باقی صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ بھولی کہانیاں ۔ صفحہ ۲۴ سے آگے)

بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے۔ اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیتِ عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل فہم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بہرحال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

(بشکریہ چٹان بابت ۱۳ - ۶ دسمبر ۱۹۸۲ء)

قرآنی فیصلے

قرآنی فکر و تعلیم سے شغف رکھنے والوں کا مطالبہ تھا کہ —— پرویز صاحب کی تصانیف بلند پایہ قرآنی حقائق و معارف کی حامل ہوتی ہیں۔ اور ان کا اسلوب بیان بھی عالمانہ اور حکیمانہ ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زندگی کے روزمرہ کے عملی معاملات سے متعلق قرآنی فیصلے عام فہم انداز میں بیان کئے جائیں۔ طلوع اسلام میں یہ انداز اختیار کیا گیا تو یہ ایسا مقبول ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد اسے کتابی شکل میں شائع کرنا پڑا۔ اس سلسلہ کا عنوان تھا۔ ہماری بصیرت کے مطابق

قرآنی فیصلے

اس موضوع کی افادیت نے اس قدر وسعت اختیار کی کہ گذشتہ چند سالوں میں اس کی چار جلدیں شائع کی گئیں۔ انہیں اسلامی انسائیکلو پیڈیا کہئے۔ اب

قرآنی فیصلے —— جلد پنجم

بھی شائع ہو گئی ہے۔ اس میں بھی حسب سابق اسلام کے نہایت اہم موضوعات آگئے ہیں۔ ضخامت ۵۱۲ صفحات۔ بکس بورڈ کی جلد۔ قیمت فی جلد بیس روپے ۲۰/-

باقی چار جلدوں کی قیمت حسب ذیل ہے:

جلد اول۔ ۱۰/-، جلد دوم ۱۰/-، جلد سوم ۱۰/-، جلد چہارم ۱۵/-۔ مکمل سیٹ کی قیمت ۶۵/- روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور